© rasailojaraid.com

قرآن کریم سے حصول ہدایت: تغیرِ زمانی کے تناظر میں

کنور محمد یوسف

قرآن کریم دیگر کُتب سماویہ کے برخلاف تمام اقوام اور اپنے نزول سے قیامت تک کے تمام زمانوں کے لئے ہدایت ہے جبکہ سابق کتابیں کسی خاص قوم یا زمانے کے ساتھ خاص تھیں۔ زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ ضروریات و استعداد بھی بدل جاتی ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر، جس کا بیان خود قرآن میں بھی موجود ہے، اس دفترِ ہدایت کی دائمی مناسبت تشریح و ثبوت کی طلب گار ہے۔ اس مطالبے میں مزید شدت اس لیے پیدا ہوگئی ہے چونکہ تمام دنیا پر مسلط مغربی جدیدیت تغیر زمانی ہی کو حقیقت کی اصل بنیاد اور قوت تخلیق کا منبع مانتی ہے۔ اس کی پوری توجہ اور دلچسپی زمانے کی نو بہ نو حقیقت سازی پر مرتکز رہتی ہے۔ اس کے نزدیک ہر نیا پل انسان اور دنیا کو کلیتاً اور اساسی لحاظ سے بدل ڈالتا ہے۔ یہ نئی دنیا پرانی دنیا سے بدر جہا خوب تر ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان کو پورے جوش و جذبہ سے اس تبدیلی کا ساتھ دینا چاہیے اور اُس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تبدیلی ناگزیر ہے جو کہ جبری طور پر دنیا کو لاحق ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ، مغربی جدیدیت کے مطابق، تغیرِ زمانی (i) انسان میں اساسی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ (ii) ہر نئی حالت پرانی حالت سے خوب تر ہوتی ہے اور (iii) یہ تبدیلی ناگزیر (Inevitatble) ہوتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہر دور کے لئے نئی رہنمائی کی ضرورت کو ایک بدیہی حقیقت باور کرنے کی وجہ سے جدیدیت کی نظر میں ایسا ہر دعوے دار باطل اور برخود غلط قرار پاتا ہے جو اپنے آپ کو دائمی ہدایت نامہ کے طور پر پیش کرے۔ چنانچہ کسی آنکس کی دائمی حیثیت کو صحیح ثابت کرنے کا امکان ہی گویا معدوم ہو چکا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (Social Sciences) علوم انسانی پر اپنی شہرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں دین و شریعت کی بحث میں جو کچھ اسلامی شریعت کے متعلق فرماتے ہیں اس کا اطلاق قرآن کریم پر بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ قرآن ہی شریعت کا بنیادی ماخذ ہے۔ اُن کے مطابق، چونکہ اسلام ''ارتفاقِ چہارم'' یعنی ایک عالمی خلافت کی بنیاد فراہم کرتا ہے اس لئے اُس کے احکام اور تعلیمات دنیا کی بیش تر اقوام کے لئے ''مذہب طبعی'' کا درجہ رکھتے ہیں، یعنی اُن کے مزاج، استعداد اور مصالح کے مطابق ہیں۔[۱]

اس صفت کی قرآن کریم میں کارفرمائی کی دلیل کے طور پر سورہ نحل کی آیات ۹۰-۸۹ کو پیش کیا جا سکتا ہے جن کا ترجمہ یوں ہے: ''اے نبیؐ، انھیں اُس دن سے خبردار کردو) جب کہ ہم ہر اُمّت میں خود اسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کرینگے جو اس کے مقابلہ میں شہادت دیگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لئے ہم تمہیں لائیں گے اور (یہ اسی شہادت کی تیاری ہے کہ) ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کردی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے سرتسلیم خم کردیا ہے۔ اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔''

ان آیات کے دو اجزاء قرآن کریم کے تمام انسانوں کے مناسب حال ہونے کو خاص طور سے ثابت کرتے ہیں۔

''وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ'' یعنی ''اور ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا بیان کرتی ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخاطب انسانوں کو جو ہدایت و رہنمائی درکار ہے وہ سب کچھ اس کتاب میں موجود ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ''یعنی ''اللہ عدل کا حکم دیتا ہے'' اس کی تشریح میں حضرت تھانویؒ اس طرح فرماتے ہیں:

''مامورات میں اعتدال عام ہے قوۃ علمیہ و عملیہ کو اس میں سارے عقائد و اعمال ظاہرہ و باطنہ غرض تمام شرائع داخل ہو گئے'' [۲]

دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ یہاں قرآن کریم اپنی جامعیت اور اعتدال کے بیان کے ذریعہ تمام انسانوں سے مناسبت اور تعلق کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ جامعیت، یعنی ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم اور گروہ کو مطلوب احکام کی موجودگی اور اعتدال، یعنی متعارض قدروں کے دائرے میں اُن کی وسطی حالت (Mean) کو اختیار کرنا۔ قرآن کا اعتدال ایسی اجمالی تعلیمات کو ممکن بناتا ہے جو تمام عالم کو رہنمائی فراہم کرسکیں۔ چنانچہ قرآن کا اعتدال و اجمال اس کی جامعیت کی اہم بنیاد ہے۔

لیکن جدیدیت کے مطابق جامعیت واعتدال کی یہ تدبیر آفاقیت کی بنیاد بن سکتی ہے دوام کی نہیں چونکہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ انسان کی حقیقت کلیتاً بدل جاتی ہے۔ جدیدیت کا یہ نظریہ کہ زمانی تغیر سے انسان بالکل بدل جاتا ہے، انتہا پسندانہ ہے اور مابعدالطبیعاتی (Metaphysical) نیز تجربی (Empirical) طور پر غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مختلف اقوام اور زمانوں کے انسانوں کی عظیم اکثریت کی استعداد اور ضروریات کی اساس اور اصل مشترک اور یکساں، نیز زمانی لحاظ سے غیر متبدل ہوتی ہے، اور ان اساسی امور سے متعلق تعلیمات میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ البتہ فروع میں زمانہ کے ساتھ تبدیلیاں ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ یہ سوال بہرحال موجود رہتا ہے کہ ایک خاص وقت میں نازل ہونے والی کتاب ان معاملات میں جو کہ فروعی اور تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ کس طرح رہنمائی فراہم کرسکتی ہے؟ اس کا جواب حضرت تھانویؒ اس طرح دیتے ہیں۔

"دین کی باتیں بعض سُنّت واجماع وقیاس سے ثابت ہیں اور ان تینوں کا حجت ہونا قرآن سے ثابت پس امور ثابتہ بہذہ الدلائل بھی بواسطہ قرآن سے ثابت ہیں" [۳]

یعنی بعض احکام قرآن کریم میں بیان شدہ ہیں۔ مزید براں احکامات حاصل کرنے کے تین مزید مآخذ بھی قرآن میں بیان کئے گئے ہیں یعنی سُنّت رسول ﷺ، اجماع اُمّت اور قیاس یا اجتہادِ علماء۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس سلسلہ میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ قرآن و سُنّت تو مستقلاً مآخذِ احکام ہیں اور صحیح اجماع اور اجتہاد اِن دونوں میں بنیاد اور اصل ضرور رکھتے ہیں [۴] چنانچہ قرآن بلاواسط (Directly) یا بالواسط (Indirectly) انسانوں کو درکار تمام احکام فراہم کردیتا ہے۔

یہاں یہ معلوم ہوا کہ گو انسانوں کی استعداد اور ضروریات کا بڑا حصہ مشترک اور یکساں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے لیکن تغیر زمانی سے ثانوی لحاظ سے نئے حالات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ایک خاص زمانہ میں حاصل ہونے والا آئین اِن تغیر پذیر ثانوی معاملات میں بھی ایسے کُلّی اصول (General principles) فراہم کر کے رہنمائی انجام دے سکتا ہے جن سے نئے فروعی حالات میں مخصوص حکم مستنبط کیا جاسکتا ہو۔ قرآن وسنت میں یہ اصولِ کُلّیہ یا تو صراحت کے ساتھ بیان کردئے گئے ہیں۔ یا خاص احکامات (Particular Rules) سے ان کے اخذ کئے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ جدیدیت کا یہ انتہا پسندانہ دعویٰ کہ وقت کے ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے اور ہر پرانا آئین و دفتر باطل اور لائق استرداد ہو جاتا ہے غلط اور ناقابل قبول ہے۔ البتہ اسلام خود یہ کہتا ہے کہ زمانی تغیرات کے ساتھ کچھ نئے حالات ضرور پیدا ہوتے ہیں لیکن ایک خاص وقت میں نازل شدہ کتاب اور ظاہر ہونے والی سُنّت کے ذریعہ بعد میں وقوع پزیر ہونے والے حالات میں رہنمائی فراہم کرنا دائرہ امکان سے خارج نہیں ہے۔

گو قرآنی احکامات و ہدایات اپنی جامعیت، اجمال اور اعتدال وغیرہ کی وجہ سے تمام اقوام اور ازمنہ کے مناسب حال ہیں لیکن ان میں آنحضرتؐ کے ہم عصر عربوں کی خاص رعایت بھی ہے۔ چنانچہ سورہ رعد کی آیت ۳۷ میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''اسی ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ فرمان عربی تم پر نازل کیا ہے۔ اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔''

آیت کی تشریح میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''(اگر [دعوت قرآن] فروع میں [سابقہ شرائع کے] مخالف ہو تو اُس کا جواب اللہ تعالیٰ یوں دیتے ہیں کہ ہم نے جس طرح اور رسولوں کو خاص خاص زبانوں میں خاص خاص احکام دئے) اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اس طور پر نازل کیا کہ وہ ایک خاص حکم ہے عربی زبان میں (عربی کی تصریح سے اشارہ ہو گیا دوسرے انبیاء کی دوسری السنہ کی طرف اور اختلاف السنہ سے اشارہ ہو گیا اختلاف امم کی طرف تو حاصل جواب یہ ہوا کہ اختلاف فروع بسبب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف امم کے ہوا کیونکہ مصالح امم کے ہر زمانہ میں جدا گانہ ہیں پس یہ اختلاف شرائع کا مقتضی مخالفت کو نہیں چنانچہ خود تمہاری شرائع مسلمہ میں بھی ایسا اختلاف فروع کا ہوا.....)'' ۵

چنانچہ غالب طور پر آفاقی ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی تعلیمات اور احکام کا ایک حصہ یا پہلو عربوں سے مناسبت بھی رکھتا ہے اور چونکہ اُن کی اصل ابراہیمیؑ ہے اس لیے اس خاص رنگ کا بنیادی کردار طورِ ابراہیمی سے عبارت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے قرآن کریم کے خاص کردار کا بیان کرتے ہوئے سورۂ حج کی آخری آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں اُمت مسلمہ کو ''تمہارے باپ ابراہیمؑ'' کی اُمت قرار دیا گیا ہے۔۶ یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ، جنہیں قرآنِ کریم میں حنیف کہا گیا ہے، اُن کی دعوت اور اسوہ حق کی اصولی اور اجمالی شکل پر مشتمل ہے جب کہ دیگر انبیاء کے یہاں حق ایک خاص رنگ میں ظاہر ہوا ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ، اور اُن کی نسبت سے اُمّت مسلمہ، قرآن کریم اور شریعت اسلامی کا خاص کردار بھی زیادہ تر اجمال و اصول ہی پر مشتمل ہے۔اس معاملہ کا متناسب فہم حاصل کرنے کے لئے دو اور باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔قرآن کریم میں خاص نوعیت کے احکام کم اور آفاقی قسم کی تعلیمات واحکام زیادہ ہیں۔ ثانیاً، شریعت بعض معاملات کو فرض اور بعض کو حرام قرار دیتی ہے لیکن ایک بہت بڑے دائرے میں خاموشی اختیار کرکے اُنہیں انسانوں کی صواب دید اور پسند و ناپسند پر چھوڑ دیتی ہے، جن کو مباحات قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک خاص زمانہ سے نسبت رکھنے والے احکامات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔

کمیّتی قلت اور کیفیتی اجمالیت کے باوصف بہر حال قرآن کریم کے کردار میں ایک خاص فرد یعنی ابراہیمؑ اور ان کی قوم اور زمانے سے نسبت شامل ہے۔اس کی توجیہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح قرآن کے اولین مخاطبین کو اس کلامِ ربانی سے ایک خاص اور گہری مناسبت رکھنے کا موقع فراہم کیا گیا تا کہ وہ آسانی سے اس کا ضروری فہم حاصل کرسکیں اور اس کی دعوت کو اختیار کرنے اور تمام دنیا پر غالب کرنے کی تحریک حاصل کرسکیں۔۶

لیکن اس خاص کردار کی سب سے بنیادی وجہ جس کا ذکر شاہ صاحب نے بھی کیا ہے وہ یہ ہے کہ حق کی معنوی اور روحانی حقیقت کے عالم ناسوت میں اظہار کے لئے ایک عارض اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت کی ضرورت ہوتی ہے جس کا زیادہ تر اولین مخاطبین سے لئے جانا عقلی لحاظ سے واضح اور درست ہے۔ ے

قرآن کریم کے خاص (Particular) کردار کے اختصار، اجمالیت واصولیت اور ناگزیریت کے باوصف بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ کتاب ربانی ایک خاص زمانہ سے نسبت و تعلق بھی رکھتی ہے۔ چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی پیروی کیا کسی نہ کسی درجہ میں سیلانِ زمانہ کو معطل کر کے وقت کو ایک خاص مرحلہ میں منجمد (Freeze) نہیں کر دیگی؟ آج کے انسان کے لیے یہ ایک بوکھلا دینے والا سوال ہے۔ مغربی جدیدیت نے وقت کے بہاؤ کو نہ صرف اساسی و کُلی نیز بدیہی و طبعی قرار دیا ہے جو کہ سب کچھ بدل کر رکھ دیتا ہے اور جسکو روکا نہیں جا سکتا بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس کی ہر نئی تخلیق پہلے سے بہتر اور کامل تر ہوتی ہے جس کی رغبت بھی رکھنا چاہئے اور جس کے حصول کی کوشش بھی کرنا چاہئے۔ چنانچہ، دنیا اور انسان کا کُلی تبدیلی کے زد پر رہنا، جو کہ وجودی (Ontological) طور پر ناگزیر اور اخلاقی (Moral) لحاظ سے پسندیدہ ہے، یہ نظریہ جدیدیت کا کلمہ اور اساسی عقیدہ ہے جس سے ادنیٰ اختلاف کرنا پتھر کا جگر چاہتا ہے۔

جدیدیت کا کسی بدیہی اور آفاقی طور پر تسلیم شدہ حقیقت مثلاً اپنے دور کی آسمانی کتاب یعنی قرآن کے اتباع کا وجوب یا ایسی کسی بھی حقیقت کی پاسداری کو مشکل بنانا موخر الذکر پر تردد کے بجائے خود جدیدیت کے متعلق بنیادی سوال پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی نظریہ ایک بدیہی حقیقت سے ٹکراتا ہے تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ ایسے نظریہ کا نقد کیا جائے نہ کہ بدیہی حقیقت کا انکار کر دیا جائے۔ درحقیقت جس چیز کو عرف عام میں یورپی نشاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے وہ واقعہ "ہبوطِ مغرب" (Fall of the West) کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ جدیدیت مادہ پرستی سے عبارت ہے، اور مادّہ پرستی کی نہایت درست تعبیر وہ ہے جس کو مولانا مودودیؒ نے اختیار کیا ہے یعنی "جاہلیتِ خالصہ۔" جاہلیت خالصہ یا مادہ پرستی کے دائرے میں ہی تغیر زمانی کے متعلق یہ انتہا پسندانہ اور ضدِ حقیقت نظریہ اختیار کیا جانا ممکن ہے کہ زمانہ دنیا و انسان کو سرتا سر اور کُلی طور پر بدل دیتا ہے اور ہر نئی شکل سابقہ صورت سے لازماً اور لابدی طور پر بہتر اور کامل تر ہوتی ہے۔ حقیقت یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ زمانہ نہ انسان کی اصل کو بدلتا ہے اور ہر نئی شکل لازماً بہتر نہیں ہوتی۔ بلکہ امتداد زمانہ کے ساتھ انسان میں بحیثیت مجموعی تنزل اور انحطاط ہی پیدا ہو رہا ہے۔ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا گہرا عرفان ہر انسان کے قلب میں موجود ہے اور جسکی گواہی ہر تہذیب کی اساس میں کارفرما آسمانی پیغام میں دی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ واقعہ میں فرمایا گیا کہ مقربین پہلے ادوار میں گروہ در گروہ ہونگے لیکن بعد کے ادوار میں بہت کم ہونگے۔ اسی طرح ہندومت میں دنیا کے آخری دور کو ایک تنزل شدہ دور یعنی ''کلی یوگ'' کہا گیا ہے۔ تاریخ انسانی پر ایک اجمالی نظر اس وجدانی، بدیہی میں بھی مستتر حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ مثال کے طور پر اگر مختلف ادوار کی زبانوں کا جائزہ لیا جائے تو دیکھا جاسکتا ہے کہ کلاسیکی زبانیں مثلاً عربی، یونانی، سنسکرت وغیرہ جدید زبانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ عمیق اور لطیف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید انسان اپنے اسلاف سے صرف سائنس اور ٹکنالاجی میں فائق تر ہے۔ جدید سائنس محض ظروفِ دنیا کے حصول کا ذریعہ ہے جو کہ انسان کی زندگی کا اسفل ترین حصہ ہے۔ مزید براں، جدید سائنس کے عطایا انتہائی سنگین مضرات سے آلودہ ہیں۔ مثلاً طبیعات کی سطح پر عالمی تسخین (Global Warming) اور انسانی سطح پر مضراتِ ادویہ (Adverse Drug Reactions)۔ چنانچہ بدیہی عرفانات ہی نہیں مشاہداتی تحقیق و مطالعہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ زمانے کی پیش رفت انسان و کائنات کی پسپائی اور اضمحلال کا سبب ہے نہ کہ ترقی و تکمیل کا وسیلہ۔

انسانی زندگی کے وسیع و عریض اور زیادہ اساسی گوشوں میں انحطاط و زوال کے مشاہداتی ثبوت کے باوجود زندگی محض ایک، نسبتاً ذیلی دائرے سے تعلق رکھنے والے مفید و مضر کی مرکب سائنس کی بنیاد پر موجودہ دور کو افضل اور تمام سابقہ ادوار کو ارذل ماننا ایک انتہائی غیر عقلی اور جاہلانہ فعل ہے۔

چنانچہ خرامِ زمانہ انسان کی اصل اور حقیقت کو چھونے سے عاجز ہے اور اس کے فروعی اثرات بحیثیت مجموعی (نہ کہ سرتاسر) منفی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر بعض ایسی مبارک ساعات کو منجمد کر کے دائمی بنا دیا جائے جو کہ حق کے انتہائی نافع اور منور اظہارات کا محل و ظرف بنی ہوں تو یہ انسانیت کے لئے باعث کمال ہوتا ہے نہ کہ موجب زوال۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس موقعہ پر شوٗن (Schuon) کی یہ تصریح بھی مدِ نظر رہے کہ مغربی جدیدیت کے تغیرِ زمانی سے وارفتہ لگاؤ اور انسانی ترقی کو تمام تر تاریخی تبدیلیوں سے وابستہ کرنے کے پسِ پشت مادّہ پرستی اور اُس کے نتیجہ میں انسان کے حقیقی، عمودی (Vertical) ارتقاء کے ادراک سے عاجز ہونے کی کارفرمائی ہے۔ مادہ پرست مغرب قلبِ انسانی میں وارد ہونے والے روحانی ارتقاء اور تقربِ الٰہی کی درجہ بدرجہ معراج کا تصور نہیں کر سکتا لیکن ارتقاء کی حقیقت اور ضرورت کا وجدان باقی ہے چنانچہ عمودی (Vertical)، روحانی ارتقاء کی جگہ افقی (Horizontal)، تاریخی اور مادّی ارتقاء کا نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصل ارتقاء اندرونی اور روحانی ہوتا ہے جس کا تاریخ کے ہر دور میں اور تہذیب کے ہر مرحلہ میں برابر کا امکان رہتا ہے۔ تغیرِ زمانی سے لازماً پیدا ہونے والے نام نہاد تاریخی ارتقاء سے انسانی عروج و کمال کا کوئی لازمی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ تاریخی ارتقاء خود ایک رنگین افسانے سے زیادہ کچھ نہیں جسے حقیقی ارتقاء سے عاجز ہونے کے نتیجہ میں تراشا گیا ہے۔

اس روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ چونکہ حقیقتِ انسانی کی اصل اور اساس اور ایک بڑا حصہ تغیر زمانی کی یورشوں سے محفوظ و مامون ہے اس لئے قرآن کریم اپنی جامعیت، اعتدال اور اجمال وغیرہ کی بناء پر ہر زمانہ کے لئے رہنمائی فراہم کرنے پر قادر ہے۔ مزید برآں، سُنت نیز اجماع اور قیاس و اجتہاد کے ذریعہ فروعی معاملات میں تغیر زمانی سے پیدا ہونے والے نئے حالات میں بھی رہنمائی فراہم ہوتی ہے۔ حق کے اظہار کے لیے ایک عارض اور صورت کی ضرورت اور دیگر مصالح کی بناء پر جن خاص زمانی حالتوں یعنی اسوہ ابراہیمؑ وغیرہ کو ہمیشہ کے لئے قایم کر دیا گیا ہے، وہ انجمادِ زمانہ، انسانیت کے لئے مضر نہ ہو کر باعث برکت ثابت ہوتا ہے۔

مغربی جدیدیت کے مطابق تغیر زمانی کی مطلق العنان فرماں روائی انسان کی حقیقت کے ساتھ اس کے فہم و ادراک کو بھی محیط قرار دی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک خاص دور کے انسان کا ادراک بھی عصری ظروف و مناہج سے متعین ہوتا ہے جس کو زمانہ ماقبل کے کاملاً مختلف سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر دور کے انسان کو، پیشرو انسانوں کے بیانات سے صرف نظر کر کے حقیقت کو از سرِ نو خود دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن اگر دائمی رہنمائی کا حامل ہو تب بھی ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور کے انسان کو مفسرین و فقہاء ماقبل کی تصریحات سے صرف نظر کر کے تفسیر کے کامل عمل کو، از اوّل تا آخر، خود انجام دینا چاہیئے۔

تغیرِ زمانی کی قوت قاہرہ کے سعادت مند معترفین، قرآن کریم میں موجود ممکنہ دائمی رہنمائی کا حصول صرف اس طرح ممکن سمجھتے ہیں کہ سابقہ ادوار کے مفسرین اور فقہاء کے نتائج اور تصریحات کو کسی بھی سطح پر واسطہ یا حوالہ بنائے بغیر نئے حالات و ظروف کے مطابق آزادانہ تفسیر و استنباط انجام دیا جائے۔ اس انتہا پسندانہ رائے کے بعض سقم واضح کیے جا چکے ہیں۔ تغیر زمانی کے ساتھ حقیقت کی اصل اور اساس میں تبدیلی نہیں ہوتی البتہ فروع میں فرق پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ متقدمین کے ذریعہ حقیقت کے غیر متبدل حصص کا سابقہ بیان و توجیہ مابعد کے لئے بھی متعلق اور مفید ہوگی۔ فروع کی قدیم تفسیر بھی فائدے سے کلیتاً خالی نہیں ہوگی کیونکہ امتدادِ زمانہ سے نہ تمام فروع کا تبدیل ہونا ضروری ہے نہ پسندیدہ۔ ثانیاً، جس طرح تغیر زمانی سے معروض (Object) کی اصل و اساس محفوظ رہتی ہے اُسی طرح موضوع (Subject) یعنی مفسر کا قلب و ذہن اور فکری شیرازے کی بنیادی حقیقت بھی متاثر نہیں ہوتی ہے۔ انسان کے پاس ایسے ذرائع فہم و ادراک ہیں جن کے ذریعہ زمانہ کی حد بندیوں سے اٹھ کر دیکھا جا سکے، مثلاً عقل اور وجدان کے مختلف شعبے اور درجات۔ ثانیاً، زمانی تحدیدات ہی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو معروض سے قربت رکھنے والے محقق کا فہم بعید تر محقق سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ، کلیتاً نہ صحیح تو کم از کم بعض پہلوؤں سے مفسرین و فقہاءِ متقدمین کا فہم و بیان متاخرین سے بہتر اور عملِ تفسیر میں واسطہ اور وسیلہ بنائے جانے کا مستحق ہوگا۔ مزید برآں، امتداد زمانہ سے پیدا ہونے والے مجموعی اضمحلال کے پیش نظر، جس کا خاص حصہ وجدانی صلاحیت کی روز افزوں کمی ہے، جسکی کہ تفسیر قرآن میں خاص ضرورت ہوتی ہے، متقدمین کی تبیین و تنظیم مضر یا غیر مفید ہونے کے بجاء انتہائی کارآمد و نفع بخش بلکہ بے بدل وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تغیر زمانی کے متعلق مغربی جدیدیت کے تیسرے دعوے کو تسلیم کرنا بھی مشکل ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہونے والی تمام تبدیلیاں جبری اور ناگزیر ہوتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ امتداد زمانہ سے انسان اور کائنات میں بعض تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ مثلاً انسان کی وجدانی صلاحیت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتدریج کم ہوتے جانا اور مشاہداتی اور تجزیاتی استعداد کا زیادہ استعمال کرنا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کے رجحانات اور تہذیب میں ہونے والی تمام تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ یورپ کی نام نہاد نشأۃ ثانیہ میں پیدا ہونے والی اساسی تبدیلیاں ناگزیر نہیں تھیں۔ یورپی لوگوں نے یہ انقلابات اختیاری طور پر برپا کیے۔ مغربی جدیدیت کا سب سے زیادہ معروضی اور بظاہر خود بخود پیدا ہونے والا پہلو مغربی سائنس ہے۔ اس سائنس کو دور حاضر میں سائنس کی واحد درست بلکہ واحد ممکنہ شکل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کسی بھی دور میں سائنس کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ یہ انسان ہے جو اپنے رجحانات اور پسند و ناپسند کی بنیاد پر ایک خاص زاویہ منتخب کر کے ایک متعلقہ قسم کی سائنس کو وجود میں لاتا ہے۔

نام نہاد نشأۃ ثانیہ سے پہلے یورپ میں طب یونانی یا طب اسلامی ہی رائج تھی۔ یہ طب انسان کے مادّی پہلو کے ساتھ فوق المادّہ پہلو یعنی ارواح، قویٰ وغیرہ کی قائل ہے اور بیماری کے تصور، تشخیص اور علاج میں مادّی پہلو یعنی اعضاء کے ساتھ ساتھ ان فوق المادّہ پہلوؤں کو بھی، ان کے مادّی اشاروں، مثلاً جلد کی رنگت، بالوں کی قسم وغیرہ کے ذریعہ احاطے میں لاتی ہے۔ نشأۃ ثانیہ کے وقت ایسی کوئی دریافت نہیں ہوئی تھی جس نے ارواح، قویٰ وغیرہ کو باطل ثابت کر دیا ہو، بلکہ یورپی مفکرین میں مادہ پرستی کا رجحان غالب ہو گیا اور انھوں نے اصولی (a priori) طور پر، نہ کہ کسی مشاہداتی یا عقلی بنیاد پر، ان فوق المادّہ عوامل کو مسترد کر دیا اور انسان کو صرف مادّی وجود فرض کر کے صرف مادّی پہلو کی بنیاد پر ایک طب وضع کی۔ چنانچہ طب کے مادّہ پرستانہ بننے میں زمانی جبریت، یعنی نئے زمانے کی نئی دریافتوں کی کارفرمائی کے بجائے یورپی لوگوں کے نئے مشرب اور ذوق کا دخل تھا۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مغربی جدیدیت کے مادّہ پرستانہ علوم وفنون، معاشرت و سیاست وغیرہ کی کلی شکل تغیر زمانی سے نہیں بلکہ فساد عقائد سے وجود میں آئی ہے۔ یہ عین ممکن تھا کہ اگر مسلمان حرکیت (Dynamism) سے متصف رہتے تو آج ایک دوسری طب دوسرے علوم وفنون اور دوسری تہذیب و تمدن موجود ہوتی جو زمانے کے ساتھ پیدا ہونے والی حقیقی تبدیلیوں سے متصف ہونے کے ہمراہ مادّہ پرستانہ نہ ہو کر بنیادی طور پر روحانی اور ذیلی طور پر مادّی ہونے کے نظریہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم ہوتی۔

اس طویل بحث کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ عصری مسائل کا ایک قابلِ لحاظ حصہ لازمی نہ ہوکر مغرب کے فاسد عقائد کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ چنانچہ منطقی بات یہ ہے کہ ان کے لیے قرآن کریم سے رہنمائی اخذ کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے ان کی جگہ ایک صالح تہذیب کی تخلیق کی جانی چاہیے۔ خاص طور سے امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی کھوئی ہوئی حرکت کو دوبارہ حاصل کرکے ایسی فکر و تہذیب کو وجود بخشے جس میں حقیقت کے دائمی پہلو برقرار رہیں اور تبدیل ہونے والے پہلو صالح خطوط پر وضع کیے جائیں۔ جب تک یہ تبدیلی انجام پائے موجودہ صورت حال کے ناپسندیدہ اور بدلے جانے کے مستحق دائروں کے لیے قرآن کریم سے مستقل رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے اضطرار کے تحت آنے والے فقہی اصولوں سے پالیسی حاصل کی جائے یعنی زمانہ قرآن کے ساتھ چلے نہ کہ قرآن زمانے کے ساتھ اور اس منزل کے حصول تک عبوری دور میں جزوقتی پالیسیوں سے کام لیا جائے۔

بحث کا حاصل یہ ہے کہ مغربی جدیدیت کے ایما پر قرآن کریم کی دائمی ہدایت دہی کو محل نظر بنانے کے بجائے خود جدیدیت کی اساسی خطا و قصور کی تشخیص و تردید کی جانی چاہیے۔ تغیر زمانی حقیقت کی اصل اور اساس کو متاثر نہیں کرتا لہذا قرآن اپنی جامعیت اجمال اور اعتدال کے ذریعہ ایک بڑے اور بنیادی دائرے میں دائمی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ فروع میں جو بعض تبدیلیاں ہوسکتی ہیں اُن کو اجماع اور قیاس و اجتہاد کے ذریعہ حل کردیا جاتا ہے اس طرح کامل رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ بنیادی امور کے استمرار کی وجہ سے اس دائرے میں کی جانے والی توجیہات اور وضاحتیں، نیز متقدمین کی نزول قرآن اور حامل قرآنؐ سے زمانی قربت اور اعلیٰ تر وجدانی صلاحیتوں کی بدولت بہتر فہم و ادراک رکھنے کے نتیجہ میں اُن کی نگارشات مابعد کی تفسیری اور فقہی کاوشوں میں ضروری واسطے اور وسیلے کا کردار ادا کرنے کی حقدار ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

(۱) شاہ ولی اللہ دہلویؒ : حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ)، باہتمام و قار علی، مکتبہ تھانوی، دیو بند، ۱۹۸۶، ص ۲۸۷

(۲) مولٰنا اشرف علی تھانویؒ: مکمل بیان القرآن، تاج پبلشرز، دہلی، جلد ۶، ص ۵۸

(۳) مکمل بیان القرآن، جلد ۶، ص ۵۸

(۴) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۹۰-۲۹۹

(۵) مکمل بیان القرآن، جلد ۵، ص ۱۱۷

(۶) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۲۶

(۷) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۲۷

☆☆☆

© rasailojaraid.com